(4) مومنؔ خاں مومنؔ

(۱۸۰۰ء-۱۸۵۲ء)

تعارف: حکیم مومن خان مومنؔ ۱۸۰۰ء دلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام غلام نبی خان تھا، جو حکمت کا کام کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی۔ مومنؔ کی غزل میں رنگارنگی ہے اور حسن و عشق کے موضوعات کرینے سے سجائے گئے ہیں۔ مومن طب، نجوم، موسیقی اور شطرنج میں بھی کمال رکھتے تھے۔ لا ابالی عاشق مزاج، نشاط پسند اور شاہد باز تھے۔ ان کی شاعری میں روایتی کردار عاشق، معشوق اور رقیب برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ پہلو بدل کر بات کرتے ہیں، جس کی وجہ سے کلام میں تکرار نہیں آتا اور کلام کا مزہ قائم رہ جاتا ہے۔

مومن شاعری کے ساتھ ساتھ عاشقی میں بھی بہت مقبول ہوئے۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

یوں تو ان کا ''صاحب بی بی'' ''اُمتہ الفاطمہ'' اور ''حجاب بائی'' سے عشق مشہور ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی نصف درجن کے قریب "Affairs" ثابت ہوئے۔ نزاکت تخیل، معاملہ بندی، شاعرانہ فکر، محاکات، ایہام اور جدت وندرت رکھنے والا یہ شاعر ۱۸۵۲ء میں وفات پا گیا۔

غزل 1

شعر 1 اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا **رنج راحت فزا نہیں ہوتا** (بہاول پور 12ء)

حل لغت: راحت: خوشی رنج: دُکھ، تکلیف راحت فزا: خوشی بڑھانے والا

مفہوم: محبوب پر میرے رونے دھونے کا ذرا بھر اثر نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے میرا غم خوشی میں تبدیل نہیں ہو رہا۔

تشریح:

اُردو شاعری کی عظمت کو بڑھانے کے لیے مومن خان مومن کی شاعری سے انکار ناممکن ہے۔ یہ وہی مومن ہیں جن کے ایک شعر پر مرزا غالبؔ جیسے شاعر اپنا پورا دیوان نچھاور کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مومن خاں مومن، خالص رومانی اور اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔ تشریح طلب شعر میں انھوں نے محبوب کی بے حسی، بے نیازی، لاپروائی، بے مروتی اور سنگ دلی کا مضمون باندھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے محبوب کی خاطر طرح طرح کے غم و آلام برداشت کیے۔ زمانے کے طعن و تشنیع برداشت کیے، جگہ جگہ کی ذلت اور قریہ قریہ کی رُسوائی اٹھائی۔ ہم نے محبوب کی خاطر زمانے بھر کی اذیتیں، ملامتیں، تہمتیں، بدنامیاں اور رسوائیاں برداشت کیں۔ بقول میرتقی میرؔ:

جس سمت بھی جاتا ہوں کہتے ہیں کہ وہ آیا
ہے چار قدم آگے مجھ سے میری رسوائی

محبوب کی خاطر کوہِ گراں کی سی مشکلات برداشت کیں، ہم نے محبوب کی خاطر جفاؤں پر جفائیں برداشت کیں ہم نے وفاؤں کی لاج رکھنے کے لیے دکھوں اور مصائب کے پہاڑ سہے ہیں کہ:

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

محبوب کی ایک ایک خواہش پر اپنی ہزاروں خوشیاں قربان کرتے چلے گئے۔ صرف اس لیے کہ چلو اگر آج محبوب مہربان نہیں ہے تو کیا۔ شاید ہماری وفاشعاری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کبھی تو پیار کا جواب پیار سے دے گا۔ محبوب سے ہم کلام ہونے اور اُس

کے دیدار کے لیے ہم نے مصائب برداشت کیے۔ لیکن یہ ہماری غلط فہمی تھی، محبوب کسی صورت مہرباں نہ ہوا۔ محبوب رقیبوں پر تو لطف وعنایت کرتا ہے جب کہ ہم جیسے وفا شعار عاشق کے ساتھ ناروا رویہ ہوتا ہے۔

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے ہم رہیں یوں تشنہ لب، پیغام کے

مومن مزید کہتے ہیں کہ ہم نے محبوب کے روبرو منت سماجت بھی کی، فریاد بھی کی، آہ وزاری بھی کی اور اُسے اپنے احسانات کا حوالہ بھی دیا کہ وہ جفا کاری کو پسِ پشت ڈال کر وفا شعاری کا رویہ اختیار کرے۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور محبوب نے مسلسل بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ بقول شاعر:

یوں تو ہم نے ہزار کوشش کی پر طبیعت تری بدل نہ سکے

شاعر کہتا ہے کہ اگر ہمارا محبوب مہربان ہو جائے تو ہمارا رنج راحت میں بدل سکتا ہے۔ ہمارے دکھ اور غم ہمارے لیے سکھ اور خوشی کے پیامبر بن سکتے ہیں۔ چناں چہ محبوب ہمارا ہم نوا نہیں بن رہا اس لیے ہمارا غم خوشی میں تبدیل نہیں ہو رہا۔ محبوب کی بے وفائی کی وجہ سے ہمارا رنج راحت پیدا کرنے کا باعث نہیں بن رہا۔ ہمارے دکھ، ہمارے غم، ہمارے لیے وبال بنتے جا رہے ہیں۔ بلکہ ہمارے دکھوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ محبوب کی بے رخی، بے نیازی، سنگ دلی، بے مروتی اور بے وفائی ہمارے دکھوں ہماری تکلیفوں کو مزید بڑھانے کا باعث بن رہی ہے۔

رہی نارسا دعائیں، نہ اثر ہوا کسی پر جلے خود ہی سوزِ غم میں کوئی پوچھنے نہ آیا

شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "رنج، راحت فزا نہیں ہوتا" یعنی غم خوشی کا باعث نہیں ہوتا۔ غم انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب کو ہمارا احساس نہیں وہ شاید رنج کو ذریعہ تسکین سمجھتا ہے لیکن یہ اُس کی خام خیالی ہے کیوں کہ رنج ذریعہ تسکین ہرگز نہیں ہوتا۔ بقول اظہر ادیب:

ایک آزار دھڑکتا ہے یہاں سینے میں اب تجھے کیسے بتائیں کہ محبت کیا ہے

شعر 2

ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا

(گوجرانوالہ 07، لاہور 11، 09، بہاول پور 12، راولپنڈی 13ء)

حل لغت: حرفِ ناصح: نصیحت کرنے والے کی بات

مفہوم: جب محبوب نے غیروں کا ذکر کیا تو ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ نصیحت کرنے والے کی باتیں بُری نہیں ہوتیں۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں مومن نے ناصح کو روایت سے ہٹ کر ایک اور ہی کردار میں پیش کیا ہے جو کہ اُردو کے دوسرے شعرا کے برعکس ہے۔ غزل کی عام روایت کے مطابق ناصح اپنے پند و نصائح سے عاشق کو عشق کرنے سے منع کرتا ہے۔ ناصح اسے سمجھاتا ہے کہ عشق میں طرح طرح کی اذیتوں اور مصیبتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اپنے پرائے کی طعنہ زنی اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عشق انسان کو ذلیل ورسوا کر کے چھوڑتا ہے، زمانے بھر کی ملامتیں سننا پڑتی ہیں۔ اور اس کے باوجود محبوب کا وصل نصیب نہیں ہوتا۔ دراصل جب بھی کوئی شخص وادیٔ عشق میں قدم رکھتا ہے، تو اُسے بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگ اُسے نصیحت آموز اور مدلل باتوں سے اس بکھیڑے میں پڑنے سے منع کرتے ہیں۔ شاعر نے اسی طرز کا مضمون باندھا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ محبوب کے حسن سے گھائل ہونے کے بعد جب ہم نے راہِ عشق اختیار کی، تو ناصح نے ہمیں اس فعل سے روکا۔ اُس نے ہمیں تجرباتی واقعات اور ذاتی مشاہدات کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس نے ہمیں واشگاف الفاظ میں آگاہ کیا

کہ بے وفائی محبوب کی سرشت میں داخل ہوتی ہے اور تمھارا محبوب تمھارا وفادار نہیں ہے۔ بلکہ تمھارا محبوب رقیبوں کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ مزید برآں ناصح عاشق کو محبوب سے قطع تعلق کا بھی کہتا ہے۔ لیکن اُس وقت عاشق ہمہ تن جوش اور محبت کے نشے میں مخمور ہوتا ہے وہ ناصح کی باتوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔

بقول شاعر:

ناصحا! مت کر نصیحت کیوں مجھے سمجھائے ہے ۔۔۔ نیک و بد سوجھے نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے

چناں چہ عاشق ان تمام باتوں کو پس پشت ڈال کر محبوب کا دم بھرتا ہے۔ لیکن جب شاعر نے خود محبوب کے منہ سے رقیبوں کے متعلق سنا تو اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ محبوب نے پیار بھرے لہجے میں رقیب کا ذکر کیا۔ رقیبوں کی تعریف و تحسین کی حالاں کہ رقیب وفادار بھی نہ تھا۔ عاشق کے لیے یہ بات تو کبھی گوارا ہی نہیں ہوتی کہ محبوب کی زبان پر اس کے سوا کسی اور کا نام ہی زبان پر آئے خواہ رقیب کا نام زبان پر بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ آئے۔ بقول غالب:

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ ۔۔۔ ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

محبوب کی رقیب کے متعلق محبت بھری باتیں سنیں تو پھر اُسے ناصح کی نصیحتیں یاد آنے لگیں کہ واقعی ناصح نے سچ کہا تھا کہ میری وفاداری کا صلہ بے وفائی ہوگا۔ اب مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ واقعی ناصح کی باتیں سچ تھیں اور اُس کی ایک ایک بات سچ ثابت ہو رہی ہے۔ محبوب واقعی اغیار کا دل دادہ ہے اور مجھے مسلسل عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بقول شاعر:

مدتوں بعد شبِ ماہ اسے دیکھا تھا ۔۔۔ پر کسی اور کے ہمراہ اسے دیکھا تھا

شعر 3

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ۔۔۔ ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

(گوجرانوالہ 12۔07، لاہور 2009، بہاول پور 12، فنی بورڈ 13)

مفہوم: اے محبوب! میں نے لاکھ جتن کیے لیکن تم میرے نہ ہو سکے حالاں کہ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے اپنی بد نصیبی و نامرادی کا مضمون بیان کیا ہے۔ مومن محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے محبوب میں نے تمھاری محبت میں غم و آلام برداشت کیے۔ میں نے تمھاری خاطر دنیا جہان کے مصائب کا سامنا کیا۔ میں نے ہنس ہنس کر تمھاری خاطر تیرِ ستم برداشت کیے۔ میں نے تمھارے لیے غیروں کے طنز کے نشتر سہے۔ میں نے تمھاری وفاؤں کی خاطر جفاؤں پر جفائیں برداشت کیں۔ میں نے تمھاری وجہ سے اپنوں اور پرائیوں کی ذلتیں اور ملامتیں برداشت کیں۔

میں نے ہزار جتن کیے کہ کسی طرح تمھیں اپنا بنا سکوں۔ میں نے تمھارے عشق کے لیے کٹھن سے کٹھن امتحان اور آزمائشیں جھیلیں۔ لیکن میرے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ کیوں کہ میرا یہ خیال تھا کہ ان تمام مصائب کے عوض اے محبوب تم مجھے مل جاؤ گے۔ اس توقع پر میں نے زمانے بھر کی بدنامیاں اور رسوائیاں اپنے دامن میں سمیٹیں۔ قدم قدم پر زمانے بھر کے لوگوں نے مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ پھر میرے محبوب میں نے تمھارے عطا کردہ دکھوں کا حوصلے اور صبر سے مقابلہ کیا اور جفا کاری کے تمام حربوں کو جو تو مجھ پر آزماتا رہا، کمال صبر سے برداشت کیے۔ تمھاری ہر خواہش کو مقدم سمجھا صرف اس امید پر کہ شاید تمھارے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کر سکوں اور اس توقع پر کہ آخر ایک روز تم میری وفا شعاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور میری وفاداری سے متاثر ہوتے ہوئے اور میری خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے پیار کا جواب پیار سے دو گے اور میرے جذبات کا

احترام کرو گے۔ بقول شاعر:

ہر چوٹ ترے پیار میں ہنس کے سہی ہے
سینے سے لگایا ہے ہر اک غم تری خاطر

لیکن یہ میری خام خیالی تھی، میری ساری قربانیاں رائیگاں گئیں۔ میرے سارے جتن کے باوجود تم میرے کسی طرح بھی نہ ہوئے۔ میرا کانٹوں پر چلنا تمھارے لیے کوئی وقعت نہ رکھتا تھا اور تم نے میرے جذبات و احساسات کا ذرہ بھر بھی خیال نہ کیا اور حیف صد حیف تم نے میری تمام قربانیوں کو پس پشت ڈال کر میرے ساتھ ناروا رویہ اپنائے رکھا جو ہنوز جاری ہے۔ گو رقیبوں پر تمھاری مہربانیاں جاری رہیں لیکن ہم بے فیض رہے۔

ہم ترستے رہے اِک نظر کے لیے
سب کی جانب رہی وہ نگاہِ کرم

مومن کہتے ہیں کہ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے عزم صمیم کر لے اور مسلسل جدوجہد اور انتھک محنت سے کام لے تو جلد یا دیر میں وہ اس شے کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ناممکن کام بھی دنیا میں ممکن ہو رہے ہیں۔ عصر حاضر میں تو کہا جاتا ہے کہ سب کچھ ممکن ہے۔ اگرچہ دنیا میں سب کچھ ممکن ہے لیکن اے محبوب تمھارا حصول میرے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ منت سماجت، آہ وزاری اور نصیحتیں سب آزمائیں لیکن تم کسی طرح میرے نہ بن سکے اور میں محروم ہی اس جہاں سے چلا گیا۔ بقول میر تقی میر:

ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ
ایک محروم چلے میرؔ ہمیں عالم سے

اس لیے مومن کہتے ہیں کہ زمانے میں ہر شے کو ممکن سمجھا جاتا ہے لیکن میرے لیے محبوب کا حصول ناممکن بن گیا ہے۔ اگرچہ میں نے اس کے لیے بہت کوشش کی ہے۔

شعر 4:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

(بہاول پور 2000، ملتان 2006ء گوجرانوالہ 12، 2000، لاہور 12، 2011، راولپنڈی 13ء فنی بورڈ 13ء)

مفہوم: اے محبوب جب میرے پاس کوئی دوسرا موجود نہیں ہوتا، تو عالمِ تصور میں تم میرے ساتھ ہوتے ہو

تشریح:

تشریح طلب شعر سادگی کے پردوں میں چھپا ہوا بڑا خوب صورت شعر ہے۔ اسی شعر کے متعلق اس قسم کی روایات ملتی ہیں کہ اس شعر کو استاذ الشعرا میرزا اسد اللہ خاں غالب نے سن کر کہا تھا کہ "اگر مومن اس ایک شعر کے بدلے میرا سارا دیوان لے لیں تو بھی مجھے فائدہ ہوگا اور یہ امر میرے لیے باعثِ تسکین ہوگا"۔ جس طرح کسی جوہر کو جوہری ہی پہچان سکتا ہے۔ اسی طرح شعر کو بھی شاعر ہی پرکھ سکتا ہے۔ حالاں کہ یہ شعر بالکل سادہ اور سہل دکھائی دیتا ہے، تاہم اس کی اہمیت غالب کے بیان سے عیاں ہوتی ہے۔ بقول حسرت موہانی:

سنتے ہی جو دل میں اتر جائیں
شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ

تشریح طلب شعر میں مومن کہتے ہیں کہ اے محبوب تم میرے پاس اُس وقت بھی موجود ہوتے ہو، جب میں عالمِ خلوت میں ہوتا ہوں۔ یعنی جب بھی میں دنیا کے دھندوں سے نجات پاتا ہوں تو اے محبوب تیری ہی یاد میں گم ہوتا ہوں اور عالمِ تصور میں میں تمھارے وصل سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہوں۔ میں تنہائی میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ میرے محبوب تم اپنی تمام تر رعنائیوں، رنگینیوں اور حسن کے جلوے دکھاتے ہوئے میرے ساتھ ہے اور اس طرح حقیقت میں یہ تنہائی، تنہائی نہیں رہتی کیوں کہ میں عالمِ تخیل میں تمھارے ساتھ پھر رہا ہوتا ہوں۔

تو جیسے میرے پاس ہے اور محوِ سخن ہے
محفل سی جما دیتی ہیں اکثر تیری یادیں

میں اکیلا اور تنہائی میں ہوتا ہوں تو تمھارا تصور میرے پاس آ بیٹھتا ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا کہ تم خود میرے پاس آ بیٹھے ہو۔ میں تمھارے تصور سے اس انداز میں محوِ گفتگو ہوتا ہوں کہ جیسے تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ یہ باتیں سرگوشی کے انداز میں بھی ہوتی ہیں اور تکرار کے انداز میں بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں زمانے کی نظروں میں عالمِ تنہائی میں ہوتا ہوں۔ مگر میری تنہائی تمھارے تصور کی وجہ سے محفل بن جاتی ہے اور میں تمھارے سامنے بیٹھ کر تمھارے جلوؤں کے دیدار سے شادکام ہوتا ہوں۔ میرا یہ تصور اتنا مکمل اور ٹھوس ہوتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے مادی وجود میں میرے سامنے جلوہ افروز ہو اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں تصور کے عالم میں نہیں بلکہ حقیقت میں تمھارے دیدار سے شادکام ہو رہا ہوں۔

خیالوں ہی میں اکثر بیٹھے بیٹھے
بسا لیتا ہوں اک دنیا سہانی

اور بقول جلیل قدوائی:

یاد کو تیری میں اس طرح لیے بیٹھا ہوں
جیسے دنیا میں کوئی اور مجھے کام نہیں

اس شعر میں "گویا" سے اگر گفتگو مراد لی جائے تو تشریح کا ایک اور پہلو سامنے آ سکتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب! جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو خود سے ہم کلامی کرتا رہتا ہوں۔ لیکن اصل میں یہ خود کلامی نہیں ہوتی بلکہ میں عالمِ تخیل میں تمھارے ساتھ باتیں کر رہا ہوتا ہوں۔ لوگ مجھے دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ میں عالمِ دیوانگی میں بڑبڑاتا رہتا ہوں، انھیں کیا خبر کہ میں اپنے محبوب سے گفتگو کر رہا ہوتا ہوں اور میرے محبوب کا رُخِ زیبا میرے سامنے ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

میرے خواب و خیال کی دنیا لیے ہوئے
پھر آ گیا کوئی رُخِ زیبا لیے ہوئے

شعر 5

حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

(گوجرانوالہ 1996, 2007)

مفہوم: میں اپنے دل کا حال محبوب کو کس طرح لکھوں کیوں کہ ہاتھ تو ہر وقت دل کو پکڑے رکھتا ہے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے اپنے دل کی اضطراری کیفیت اور تحریرِ خط میں اپنی بے بسی کا مبالغہ آمیز مضمون باندھا ہے۔ شاعر نے محبوب کے مظالم کو ایک عجیب انداز میں بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب کی جفاکاری، اُس کی طرف سے دیے گئے دکھوں، غموں، پریشانیوں اور اُس کی ستم شعاری کی وجہ سے میرا دل افسردہ اور مضمحل ہو گیا ہے۔ محبوب کی بے التفاتی، بے مروتی اور بے وفائی کی وجہ سے میرا دل شکستہ ہو کر رہ گیا ہے۔ مستقل اضطراب اور مسلسل بے چینی اور بے کلی کے باعث میرا دل ناتواں ہو گیا ہے۔

چناں چہ اب میں ہر وقت اپنے مضمحل دل کو تھامے رکھتا ہوں۔ اگرچہ میری شدید خواہش ہے کہ میں محبوب کو اُس کے ظلم و ستم اور اُس کی ستم زنی کے متعلق آگاہ کروں اور اُس کے اس رویہ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال سے اُسے مطلع کروں۔ اسے یا تو زبانی طور پر اپنے حالات کی تفاصیل بیان کروں یا پھر تحریری طور پر محبوب کو اپنے حالات و کیفیات لکھ کر خبردار کر دوں۔ لیکن محبوب کے ساتھ شرفِ ملاقات تو میرے مقدر سے باہر ہے، اس لیے زبانی طور پر تو یہ ہونا مشکل ہے۔ البتہ تحریر کے ذریعے ممکن ہے لیکن اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اب میں ہر وقت اپنے ہاتھوں سے دل کو تھامے رکھتا ہوں تاکہ صدمات کی وجہ سے یہ مہلک حد تک زور سے نہ اچھل پڑے اور میری زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھ جائے۔ دراصل اُردو کے مختلف شعرا نے اپنے مختلف اعضا کو ستم

شعاریٔ محبوب کی وجہ سے اس قدر ناتواں قرار دیا کہ وہ قلم سے بھی نہیں لکھ سکتے۔ بقول شاعر:

لکھیے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

بقولِ غالب:

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں اُن کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خونچکاں اپنا

اگرچہ شعر مبالغہ پر مبنی ہے، تاہم آج اس طرح کی بیماری دریافت ہو چکی ہے کہ شدید ترین صدمات کے یک لخت گراؤ سے انسانی دل اس قدر زور سے دھڑک سکتا ہے کہ جو جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ دراصل دل کے اردگرد ایک تھیلی ''پیری کارڈیم بیگ'' موجود ہوتی ہے جس کے اندر ایک مائع ''پیری کارڈیل فلوئیڈ'' موجود ہوتا ہے۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ شدید صدمات کی حالت میں جب دل زیادہ دھڑکے تو یہ اندرونی قوت مہیا کر کے اُس کی دھڑکن نارمل کرنے کی کوشش کریں۔

تاہم اچانک اور شدید صدمات کی حالت میں انسانی دل اس قدر زور سے دھڑک سکتا ہے کہ یہ تھیلی پھٹ سکتی ہے جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ دل میں اس قدر طاقت ہوتی ہے کہ اس کی قوت کرنٹ کی صورت میں پورے بدن حتیٰ کہ پاؤں تک ''الیکٹرو کارڈیو گرام'' کی صورت میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ شاید شعر میں بھی شاعر نے اسی کیفیت کا اظہار کیا ہے کہ حفاظتی خول کے پھٹنے سے دل کی دھڑکن کی شدت کا جان لیوا خوف رہتا ہے اس لیے شاعر دل کو ہاتھ سے دبائے رکھتا ہے تاکہ باہر سے اندر کی جانب قوت لگائی جائے جو دل کی دھڑکن نارمل کرے گویا یہ ہاتھ پیری کارڈیم بیگ کا کام انجام دیتا ہے۔

تعجب کیا، لگی گر آگ اے سیماب سینے میں
ہزاروں دل میں انگارے بھرے ہیں، لگ گئی ہوگی

شعر 6

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

(لاہور 2000)

حل لغت: چارۂ دل: دل کا علاج

مفہوم: میرے دل کا علاج صرف صبر و تحمل ہے لیکن اے محبوب صبر تمھارے بغیر نہیں آتا۔

تشریح:

عشق کا میدان شعلوں سے لپٹا ہوا ایک آگ سے لبریز میدان ہے۔ اور اس میدان کا راہی اس میں سے گزرتے ہوئے اپنا تن بدن جھلسا لیتا ہے یا شعلوں کی زد میں آ کر اپنا وجود ہی ختم کر دیتا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں، بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اس راہ کے مسافر یعنی عشاق کو ان گنت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر طرح کے مصائب سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کو اس طرح کی کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کبھی اُس نے خوابوں میں بھی نہ دیکھی ہو۔ محبوب وقتاً فوقتاً اس پر ظلم و ستم کے زہر آلود نشتر آزماتا رہتا ہے۔ جفا کاری کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتا رہتا ہے اور ان کو آزمانے کے لیے عاشق کو تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرتا رہتا ہے۔ عاشق کو ایسی آزمائشوں میں ڈالتا رہتا ہے جو بظاہر ناممکن نظر آتی ہوں۔ زمانہ اُس پر الگ طعن و تشنیع کرتا ہے۔

تاہم وہ ان کیفیات کو محبوب کی قربت کے حصول کے لیے برداشت کرتا ہے۔ لیکن محبوب ہے کہ دیدار و ملاقات کی بات ہی نہیں کرتا، وصل پر آمادہ ہی نہیں ہوتا اور مختلف حیلوں بہانوں سے عاشق کو ٹالتا رہتا ہے۔ یہ وہ منزل ہوتی ہے جب عاشق ''فنا فی المحبوب'' کے مقام کا مکیں ہوتا ہے۔ وہ محبوب کی یاد اور فراق میں ایسے ہے جیسے کسی مچھلی کو جیتے جی پانی سے نکال باہر کر دیا گیا ہو۔ محبوب سے جدائی کے لمحات اُس کے لیے قیامت ہوتے ہیں۔ ایسے میں اُس کے دوست، احباب اُس کی حالت کو دیکھ کر اُسے صبر

تحمل کا درس دیتے ہیں کہ صبر کرو آہستہ آہستہ محبوب خود بخود تمھاری طرف مائل ہو جائے گا۔ بقول شاعر:

وہ میرے ہو تو جائیں گے مگر آہستہ آہستہ
کہ ہوتا ہے محبت کا اثر آہستہ آہستہ

چناں چہ اپنے دوستوں کے مشورے کے مطابق عاشق چپ سادھ لیتا ہے اور محبوب کے مائل بہ کرم ہونے کا منتظر رہتا ہے۔ لیکن بے وفا محبوب تو اُسے بھول جاتا ہے اور آخر صبر کرتے کرتے عاشق تنگ آ جاتا ہے۔ تشریح طلب شعر میں شاعر کی بھی کچھ یہی کیفیت ہے۔ شاعر صبر کرتے کرتے اُکتا گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اے محبوب! اگر چہ میرے مرض کا علاج صرف صبر ہی ہے لیکن تمھارے معاملے میں مجھ سے صبر ہونا ناممکن ہے۔ وصل کے معاملے میں، میں مزید صبر نہیں کر سکتا۔ میرے دل کو صرف اسی صورت میں صبر آ سکتا ہے کہ مجھے تو مل جائے۔ اسی طرح کی کیفیت مختلف شعراء کے ہاں ملتی ہے۔ بقول میر تقی میر:

صبر تھا ایک مونس ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

اور بقول طارق ملک:

شب گزاری ہے بے قراری میں
دن گزارا تھا آہ وزاری میں

شعر 7
کیوں سُنے عرضِ مضطرب، مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

حل لغت: مضطرب: پریشان   صنم: بت

مفہوم: اے مومن! صنم کسی پریشان حال کی فریاد کیوں کر سُنے کیوں کہ وہ خدا نہیں ہے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے محبوب کی بے وفائی اور عدم توجہی کے متعلق بیان کیا ہے۔ شاعر نے اُسے بت کہا ہے۔ کیوں کہ بت اور محبوب میں کئی اقدار مشترک ہیں۔ مثلاً بت نہ تو کسی کی فریاد سن سکتا ہے اور نہ ہی محبوب فریادِ عاشق سنتا ہے۔ بت نہ تو بول سکتا ہے اور محبوب بھی عاشق کو شرف ملاقات نہیں بخشتا۔ جیسے بت دوسروں کے جذبات کو سمجھنے سے قطعی ناآشنا ہوتا ہے ایسے ہی محبوب بھی جذباتِ عاشق کو مجروح کرتا ہے۔ جس طرح بت کسی کی مشکل حل نہیں کر سکتا اسی طرح محبوب، عاشق کی جدائی کی مشکل حل نہیں کرتا۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب پر کیوں کر میری فریاد و آہ وزاری کا اثر ہو وہ تو بت ہے جو میرے جذبات کو سمجھنے سے قاصر، میری مشکل حل کرنے سے بے پروا اور مجھے شرفِ ملاقات بخشنے سے عاری ہے۔ کیوں کہ مشکل تو حل صرف اللہ کرتا ہے۔ فریاد و درخواست تو صرف اللہ سنتا ہے۔ چوں کہ محبوب خدا نہیں ہے اس لیے وہ ان خدائی صفات کا بھی حامل نہیں ہو سکتا۔ بقول شاعر:

جن کو آتی نہیں مسیحائی
زخم اُن کو دکھائے جاتے ہیں

غزل 2

پسِ منظر:

زیرِ تشریح غزل کا پسِ منظر کچھ یوں ہے کہ فضل حق خیر آبادی آرزو، مومن کے دوست تھے۔ مومن شاہ اسماعیل شہیدؒ کے معتقد تھے۔ جب کہ فضل حق اُن کے معتقد نہ تھے۔ مومن اور فضل حق دونوں شطرنج کے شائق تھے۔ شطرنج کھیلتے ہوئے ساتھ ساتھ علمی و قلمی مناظرے جاری رہتے اور فریق مخالف فوری جواب دیتا۔ ایک مرتبہ فضل حق نے سوال پوچھا جس کے جواب کے لیے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مہلت مانگی۔ فضل الحق خیر آبادی نے طنز کے طور پر مومن سے کہا "بس جواب دے لیا آپ کے پیر صاحب نے! اگر جواب دینا ہوتا تو ابھی دے دیتے"۔ مومن کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور سُنتے ہی طیش میں آ گئے اور شطرنج کا تختہ اُلٹ کر کہنے لگے۔

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں

اس طرح مومن نے اُن سے دوستی منقطع کرلی۔ تاہم بعد میں احباب نے صلح کرادی اور مومن نے یہ غزل لکھ کر آرزو کو ارسال کی۔

شعر 1 ٹھانی تھی دل میں، اب نہ ملیں گے کسی سے ہم — پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

(گوجرانوالہ 2007)

حل لغت: ٹھانی: عزم کیا، پکا ارادہ کیا — ناچار: عاجز، مجبور، لاچار — جی: دل

مفہوم: میں نے دل میں پکا ارادہ کرلیا تھا کہ اب محبوب سے نہیں ملوں گا لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا ہوں۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر نے ترکِ محبت کے معاملے میں اپنی بے بسی کا مضمون باندھا ہے۔ دراصل راہِ عشق میں عاشق کو بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تکالیف سہنی پڑتی ہیں اور خون کے گھونٹ پی کر جینا پڑتا ہے۔ زمانے کے طنز بھرے نشتر سہنے پڑتے ہیں اور اقارب کی ملامت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ تاہم عاشق محبوب سے محبت کی آس میں یہ تمام مصائب جھیلتا ہے۔ لیکن محبوب بے پروا واقع ہوتا ہے۔ اُسے عاشق سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جب محبوب کی طرف سے مسلسل بے مروتی سرد مہری، لاپروائی، بے وفائی اور عدم دلچسپی کا اُسے سامنا ہوتا ہے تو اُس کا مصیبت زدہ دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اب اُس کی آخری امید بھی زمین بوس ہو رہی ہوتی ہے۔ زمانہ تو پہلے ہی اُس کا دشمن ہوتا ہے اور جس سے اُمیدِ وفا ہوتی ہے وہ سب سے بڑا بے وفا ثابت ہوتا ہے۔ چناں چہ عاشق ترکِ محبت کا فیصلہ کرلیتا ہے۔ لیکن محبت تو بے اختیار ہے۔ امر بیل کی طرح یہ خود بخود پروان چڑھتی ہے۔ چناں چہ ترکِ محبت کا فیصلہ کرنے والا ترکِ محبت پر قادر نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے محبت کم ہونے کی بجائے مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔ بقول شاعر:

؎ وہ ہرجائی دل میں سمایا ہے اپنے — بھلانا بھی چاہا مگر یاد آیا

بقول حسرت موہانی:

؎ بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں — الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

شاعر نے بھی شعر میں یہی کیفیت بیان کی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ شب و روز کی تکالیف اور بے وفائی سے بے زار ہو کر ہم نے ترکِ محبت کا فیصلہ کیا، لیکن افسوس یہ فیصلہ کامیاب نہ ہوا اور ہمارے دل نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ظاہر ہے جب دل نہ چاہے تو پھر ارادہ کیوں کر کامیاب ہو۔ بقول حالیؔ:

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی — دل چاہتا نہ ہو تو دُعا میں اثر کہاں؟

غزل کے پس منظر کے حوالے سے شعر کا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ مومن نے آرزو کے طنز بھرے جملے سن کر طیش میں آکر یہ عزم کیا تھا کہ وہ آرزو سے ہمیشہ کے لیے روابط منقطع کرلیں گے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ ظاہر ہے برسوں کی دوستی چند لمحوں کے وقتی طیش کے نتیجے میں ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہو سکتی۔ شاعر کہتا ہے کہ اسی لیے میں نے دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر تمھاری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ شاید اسی لیے ترکِ محبت کے متعلق فراق گورکھپوری کہتے ہیں۔

؎ سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں — لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

شعر 2

منھ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم　　ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم

حل لغت:
بے بسی: مجبوری، لاچاری

مفہوم:
جب میں کسی شخص کو کسی سے ہنستے ہوئے دیکھتا ہوں تو میں پریشان ہو کر اپنی بدنصیبی پر رونا شروع کر دیتا ہوں۔

تشریح:
تشریح طلب شعر میں مومن خاں مومن نے اپنی بے بسی، بے کسی، بدقسمتی اور بدنصیبی کا مضمون بیان کیا ہے۔ دراصل بیرونی منظر انسان پر کیا اثر کرتا ہے؟ یہ خود انسان کی باطنی حالت پر منحصر ہے۔ جو کیفیت انسان کے باطن کی ہوتی ہے۔ بیرونی مناظر بھی اسی کیفیت کے موافق اثر کرتے ہیں۔ اگر انسان باطنی طور پر خوش ہو تو اُسے تمام شہر میں زیادہ رونق اور چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔
تاہم ایک ایسا شخص جس کا باطن تیرِ ستم سے چھلنی ہو چکا ہو۔ حسین مناظر اُسے مزید غم زدہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور وہ ان مناظر کو دیکھ کر مزید وادیٔ غم میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ بقول ناصر کاظمی:

شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے　　دل تو میرا اداس ہے ناصؔر

شاعر کے ساتھ بھی اسی طرح کی کیفیت پیش آئی ہے۔ راہِ عشق کا راہی بننے کے بعد اُس پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، طعن و تشنیع کے سنگ ریزے اُس کے دل کو زخمی کرتے رہے اور بچی کھچی کسر محبوب کی بے وفائی نے پوری کر دی۔ اب شاعر ایک ایسا شخص ہے، جس کا باطن چھلنی ہو چکا ہے۔ چناں چہ بیرونی حسین مناظر اُس کے لیے باعثِ غم ثابت ہوتے ہیں۔ مزید برآں جب شاعر کسی عاشق کو اُس کے محبوب کے ساتھ ملتے دیکھتا ہے، تو وہ اُس منظر کی تاب نہیں لا پاتا۔ اُسے اپنا محبوب یاد آ جاتا ہے کہ جس نے اُس کے ساتھ کبھی اس طرح کی ملاقاتیں نہ کیں اور ہمیشہ اُسے آتشِ فراق میں جھلساتا رہا۔ اُسے یہ بات ستاتی ہے کہ زمانے نے اسے ہی محروم رکھا اور نہ باقی عشاق کو تو وفادار محبوب میسر آئے۔ بقولِ میرؔ:

ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ　　ایک محروم چلے میرؔ ہمیں عالم سے

چناں چہ شاعر اس منظر کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے اور اسے بے ساختہ بڑی بے کسی سے اپنی بے بسی پر رونا آ جاتا ہے۔ کسی عاشق کو اُس کے محبوب کے ساتھ ہنستا مسکراتا دیکھ کر اور خوش گپیاں کرتا دیکھ کر، شاعر غم زدہ ہو جاتا ہے اور اپنے محبوب کی کج روی کا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور اُس کے پرانے زخم پھر سے تازہ ہو جاتے ہیں۔ اسی کیفیت کا عدم نے یوں اظہار کیا:

عدم ہم بے سہاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے　　گلے آپس میں جب ملتے ہیں دو بچھڑے ہوئے ساتھی

شعر 3

انصاف کیجیے پوچھتے ہیں، آپ ہی سے ہم　　ہم سے نہ بولو تم، اسے کیا کہتے ہیں بھلا

(گوجرانوالہ 2007)

مفہوم:
اے محبوب! ''ہم سے نہ بولو تم'' کے الفاظ کو تم خود کیا کہو گے، ذرا انصاف کو مدِ نظر رکھ کر جواب دو۔

تشریح:
تشریح طلب شعر میں شاعر نے محبوب کی بے رُخی اور سرد مہری کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ شعر معاملہ بندی کا شعر ہے۔ دراصل عاشق محبوب کے حصول کی خاطر ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔ دنیا کے مصائب و آلام اُس کا مقدر قرار پاتے ہیں، محبوب کی خواہشات مقدم سمجھتا ہے، احکام محبوب کو سر آنکھوں پر رکھتا ہے اور پھر زمانے بھر کے طعنے برداشت کرتا ہے۔ تاکہ اُس کے ان تمام مصائب کو ملحوظ

خاطر رکھتے ہوئے محبوب اُس کے جذبات کا احترام کرے اور محبت کا رویہ اختیار کرے۔ تاہم محبوب جذباتِ عاشق سے یکسر قطعی بیگانہ واقع ہوتا ہے۔ سلطنت محبوب میں عاشق کی وقعت کسی آوارہ مزاج طائر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چناں چہ محبوب ان تمام جذبات کو پسِ پشت ڈال کر عاشق سے بول چال ترک کر دیتا ہے۔ بقول طارق ملک:

تم تو کہتے تھے محبت کو جواں رکھیں گے ؎ اب مرے پاس سے چپ چاپ گزر جاتے ہو

تشریح طلب شعر میں شاعر نے بھی اپنے محبوب کی یہ کیفیت بیان کی ہے۔ شاعر کی وفاداریوں کے صلہ میں محبوب نے اُس سے برملا کہہ دیا کہ ''ہم سے نہ بولو تم'' یہ سن کر شاعر حیران رہ گیا کہ محبوب نے کس طرح گرگٹ کی مانند رنگ بدل لیا ہے۔ اور میں جس کے وصل کی تمنا لیے پھرتا ہوں، اُس کا عندیہ یہ ہے کہ میں اُس سے کلام کرنا بھی ترک کر دوں۔ چناں چہ شاعر محبوب سے مخاطب ہے کہ اے محبوب تم اپنی اس گفتگو پر نظر ثانی کرو اور انصاف کی نظر سے معاملہ پرکھ کر ذرا بتاؤ کہ کیا یہی انصاف ہے؟ کیا میرے مصائب کا یہی صلہ ہے؟ کیا یہ تمھاری وفاداری ہے؟ بقول مرزا داغ:

تمھیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا ؎ وفا کریں گے، نباہیں گے، بات مانیں گے

دراصل شاعر کسی دوسرے کو بھی اپنے محبوب کے درمیان ثالث مقرر نہیں کر رہا تا کہ رازِ عشق کے عیاں ہونے سے کہیں محبوب بدنام نہ ہو کر رہ جائے۔ اس لیے شاعر نے اپنے محبوب ہی کو ثالث مقرر کیا ہے۔

شعر کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاعر نے محبوب کے اندازِ تخاطب پر تنقید کی ہو۔ کہ اے محبوب یہ آپ کی مجھ سے ''تم'' کے الفاظ سے گفتگو کیا موزوں ہے؟ تم خود ہی انصاف کرو کہ تم اور تو کا لہجہ مناسب معلوم ہوتا ہے؟ دراصل شاعر ایک طرف تو محبوب کے متکبرانہ اور پُرغرور لہجے کی طرف توجہ دلا رہا ہے اور دوسری طرف محبوب کو مائل بہ اصلاح کر رہا ہے۔ بقول حفیظ شاہد:

پھر نہ آئیں گے یہ لمحات ہماری خاطر ؎ آؤ کچھ دیر کہیں بیٹھ کے باتیں کر لیں

شعر 4

شاہد، شکایتوں پر تیری، مدعی سے ہم — بے زار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے

حل لغت: بے زار: تنگ — شاہد: گواہ — مدعی: دعویٰ کرنے والا، رقیب

مفہوم: اگر ہم اپنی جان سے بے زار نہ ہو گئے ہوتے تو اے محبوب رقیب کی شکایتوں پر اس سے گواہ طلب کرتے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں مومن نے ایک مختلف نوعیت کا مضمون باندھا ہے جو روایتی اردو شاعری میں نایاب ہے۔ شاعر نے رقیب سے محبوب کی شکایتوں پر کوئی گواہ طلب نہ کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ رقیب کا کام عاشق سے محبوب کو بدظن کرنا دکھایا جاتا ہے اس کی سرتوڑ کوشش ہوتی ہے کہ محبوب اور عاشق کے درمیان روڑے اٹکائے تا کہ عاشق اپنا مقصود و مطلوب حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ وہ تو اس کوشش میں ہوتا ہے کہ مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے محبوب کو اپنی طرف مائل کرے۔ اس مقصد کے لیے وہ مختلف طریقے آزماتا رہتا ہے۔ وہ عاشق کے متعلق محبوب کے کان بھرتا رہتا ہے اور جھوٹی باتیں اور الزامات تراش کر عاشق سے بدظن کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ حاسد محبوب کے دل میں عاشق کے خلاف نفرت کا مادہ پکاتا رہتا ہے۔ رقیب محبوب سے کہتا ہے کہ عاشق وفادار نہیں ہے بلکہ جھوٹا عاشق ہے جو الٹا محبوب کو بدنام کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ اس طرح رقیب بلاجواز ہی عاشق کو بدنام کرتا رہتا ہے۔ بقول یعقوب انجم:

زمانے کچھ تجھے آئے نہ آئے ؎ مگر بدنام کرنا آ گیا ہے

چناں چہ محبوب عاشق سے بے زار ہو جاتا ہے۔ اور عاشق سے تمام شکایات اس کے روبرو کہہ دیتا ہے جو رقیب نے اس کے کانوں میں بھری ہوتی ہیں۔ اس پر عاشق کو چاہیے تھا کہ رقیب سے سند یا گواہ طلب کرتا جو وہ جھوٹا ہونے پر پیش کرنے سے قاصر رہتا، اس طرح عاشق کی معصومیت ثابت ہو سکتی تھی۔

تاہم مومن کہتے ہیں کہ محبوب نے ہمارے سامنے شکایات کیں تو ہم نے ان شکایات کی تردید کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ ہم نے ان الزامات سے مبرا ہونے کے لیے رقیب سے گواہ طلب ہی نہیں کیا۔ کیوں کہ ہم تو اپنی جان سے ہی بے زار ہو چکے ہیں۔ محبوب کے ہاتھوں اس قدر مظالم سہے ہیں کہ ہم سوختہ جاں ہو چکے ہیں۔ آئے روز کی نت نئی تکالیف، رنج، دکھ، درد اور مصائب نے ہمیں ادھ موا کر دیا ہے۔ اب میں اس حالت میں ہوں کہ جب انسان زندگی سے تنگ آ کر موت کی آرزو کرتا ہے۔ بقول شاعر:

تنگ آ چکے ہیں کشمکشِ زندگی سے ہم ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم

چناں چہ ان الزامات کی سزا کے طور پر زیادہ سے زیادہ محبوب مجھے جان سے مار دے گا جس کا پہلے ہی سے متمنی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے کوئی گواہ طلب نہیں کیا۔

شعر 5 کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل

(ملتان 2009)

حل لغت: بے روئے: بغیر روئے مثل: مانند ابر: بادل

غبار دل: دل کا بوجھ ، دل کا رنج برق تبسم: ہنسی کی بجلیاں

مفہوم: ہم مذاقاً محبوب کی ہنسی کو بجلی کی مانند قرار دیتے تھے اور پھر حقیقتاً بادل کی طرح روئے بغیر ہمارے دل کا بوجھ ہلکا نہ ہو سکا۔

تشریح:

اردو کی روایتی شاعری میں محبوب کی ہنسی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ عاشق کے تمام مصائب کا مدعا محبوب کی ہنسی ہوتی ہے اور محبوب اگر عاشق کے ساتھ ہنس کر ایک بول، بول لے تو یہ عاشق کو تمام تکالیف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ایوب اختر محبوب کی ہنسی کے متعلق کہتے ہیں۔

اس نے جب مسکرا کے دیکھا ہے لوٹ آئی ہے رت بہاروں کی

مزید برآں محبوب کی ہنسی کو بجلی کی مانند قرار دیا جاتا ہے کہ محبوب جب بھی ہنستا ہے تو عشاق پر بجلی گرتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب آسمانی بجلی چمکتی ہے تو بعض اوقات انسان بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں۔ محبوب کی بجلی نما ہنسی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جب محبوب ہنستا ہے تو عشاق اس کی زد میں آ جاتے ہیں۔ یہ ایسی بجلی ہوتی ہے جو عاشق کے دل کو گھائل کر دیتی ہے۔ اس بجلی کے گرنے سے عاشق کے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں۔ وہ یک لخت بے جان ہو کر محبوب کو تکتا رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے انھی اقدار کے تشترک پن کی وجہ سے ہم مذاقاً محبوب کی ہنسی کو بجلی کی مانند یا برق تبسم قرار دیتے تھے۔ کسی شاعر نے یہی مفہوم کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

برق چمکی، ابرِ باراں تھم گیا میرے رونے پہ جو اُس نے ہنس دیا

لیکن کبھی کبھی مذاق بھی حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے اور ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم تو مذاقاً محبوب کی ہنسی کو برق تبسم کہتے تھے لیکن یہ حقیقت بن گئی۔ کیوں کہ بجلی کے کڑکنے کے بعد بادل برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ ہوا۔ محبوب کی ہنسی سے گھائل ہونے کے بعد ہم اُس کی محبت میں اسیر ہو گئے۔ ہم نے محبوب کے حصول کے لیے جد و جہد شروع

کر دی۔ لیکن یہ جد و جہد بے سود تھی۔ یہ سعی لاحاصل تھی۔ ہم نے ہزار ہا تکلیفیں اٹھائیں، مصائب سہے، اس کی خواہشات کا احترام کیا، اُس کی خاطر اپنے اعزہ واقارب کو خیر باد کہہ دیا الغرض سب کچھ کیا جو ممکن تھا لیکن محبوب ہمارا نہ بن سکا۔ اُس کا رویہ بے نیاز ہی رہا۔ اُس نے ہمیں مسلسل فراق کی آگ میں تڑپائے رکھا۔

چناں چہ شاعر کہتا ہے کہ اب اس غمِ محبوب میں ہم تڑپتے رہتے ہیں اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے آنسو بہانا شروع کر دیتے ہیں۔ نہ ہی دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور نہ ہی رونا ترک ہوتا ہے اور ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔

بقول شاعر:

؎ یوں مری آنکھوں میں ہر لحظہ جھڑی رہتی ہے — جیسے کشتی کسی دریا میں کھڑی رہتی ہے

؎ حال یہ ہے کہ تری یاد میں ایسا گم ہوں — سب کو میری اور مجھے تیری پڑی رہتی ہے

الغرض شاعر کہتا ہے کہ میں نے مذاقاً بجلی کہا تھا لیکن محبوب کی ہنسی واقعی بجلی تھی جس کے بعد میری آنکھوں کا بادل برسا اور آنسوؤں کی برسات شروع ہوگئی۔ اس طرح اس مذاق نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔

شعر 6

کیا گل کھلے گا، دیکھیے، ہے فصلِ گل تو دور — اور سوئے دشت بھاگتے ہیں، کچھ ابھی سے ہم

(ملتان 2000,09، ڈی جی خاں 2000ء لاہور 1999، سرگودھا 1997)

حلِ لغت: گل کھلنا: عجیب اور انوکھی بات — فصلِ گل: پھولوں کا موسم، بہار کا موسم

سوئے دشت: صحرا کی طرف

مفہوم: دیکھیے موسمِ بہار میں عالمِ جنون کیا ہوگا کیوں کہ موسمِ بہار کو ابھی دیر ہے اور ہم ابھی سے دشت کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

تشریح:

اُردو اور فارسی کی روایتی شاعری میں موسمِ بہار عاشقوں کے لیے ابتلا و آزمائش ہوتا ہے۔ یہ موسم عاشقوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے، لیکن کیوں؟ دراصل جو کیفیت انسان کے باطن کی ہوتی ہے، بیرونی مناظر اُسی کیفیت کے موافق اثر کرتے ہیں۔ بہار کے موسم میں ہر شے جوبن پر ہوتی ہے۔ پھول کھلتے ہیں اور موسم بھی خوش گوار ہوتا ہے۔ لیکن ان تمام حالات کا عاشق کے دل پر اُلٹا اثر پڑتا ہے۔ چوں کہ اُس کا باطن چھلنی ہوتا ہے اس لیے یہ حسین لمحات اُسے مزید ستاتے ہیں اور وہ ان سے بچتے ہوئے صحرا کی وسعتوں میں پناہ لیتا ہے۔ بقول میر تقی میر:

؎ کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی — دھوم ہے پھر بہار آنے کی

ایک اور شاعر کے بقول:

؎ جب بہار آئی تو صحرا کی طرف چل نکلا — صحنِ گُل چھوڑ گیا، دل مرا پاگل نکلا

چناں چہ پھولوں کے موسم میں عاشق آباد شہروں کو چھوڑ کر جنگل، بیاباں یا صحرا کا رُخ کرتے ہیں۔ اور وہ صحرا کی تپتی ریت پر ننگے پاؤں مارے مارے پھرتے ہیں۔ دراصل وحشت، وسعت کی متقاضی ہوتی ہے اور اُسے اس بات کی بھی پروا نہیں ہوتی کہ وہ پُر خار راستوں پر ننگے پاؤں چل رہا ہے۔ وہ عالمِ دیوانگی میں بس محبوب کو پکارتا رہتا ہے اور اپنا گریباں چاک چاک کرتا رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہماری حالت تو ان روایتی عشاق سے بھی ابتر ہے۔ ابھی تو بہار کا موسم بھی نہیں آیا۔ اور ہم نے ابھی سے

دشت کی طرف بھاگنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارا جنوں اور دیوانگی خزاں ہی کے موسم میں اتنے عروج پر ہے کہ ہمارا دل دشت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب بہار سے قبل ہی ہماری یہ حالت ہوگئی ہے تو خدا معلوم کہ بہار میں ہماری دیوانگی کس حد تک پہنچ چکی ہوگی۔ بہار کے موسم میں تو ہمارا جنوں دیدنی ہوگا۔ نہ معلوم یہ جنون کتنا شدید ہوگا۔

دوسرے الفاظ میں شاعر کہتا ہے کہ ہمارا جوش جنوں بہار کا منتظر نہیں بلکہ یہ ہر وقت ہم پر طاری رہتا ہے۔ دوسرے عشاق کی جو حالت بہار میں ہوتی ہے۔ وہ ہماری بہار سے پہلے ہے اور نہ معلوم بہار میں ہمارا کیا بنے گا۔

موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا
یہ دامن ہے، یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں

شعر 7

مومن نہ ہوں، جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں

حل لغت: ربط: تعلق، رابطہ   بدعتی: دین میں کوئی نئی رسم نکالنے والا

مفہوم: اے دل! اگر تو نے آرزو کا نام لیا تو تجھے سینے سے نکال باہر کریں گے کیوں کہ کوئی مومن کسی بدعتی سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔

تشریح:

تشریح طلب شعر حقیقی شعر ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی آرزو اور مومن دوست تھے۔ مومن شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مقلد تھے۔ آرزو اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے درمیان دینی معاملات پر مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ دونوں کے مختلف مسلک تھے۔ جواب فوری دیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جب مومن اور آرزو شطرنج کھیل رہے تھے اور شاہ اسماعیل ساتھ بیٹھے تھے۔ آرزو نے شاہ اسماعیل شہیدؒ سے سوال پوچھا جس کا وہ فوری جواب نہ دے سکے اور مہلت طلب کی۔ آرزو نے مومن سے طنزاً کہا "بس جواب دے لیا آپ کے پیر صاحب نے! اگر جواب دینا ہوتا تو ابھی دیتے" مومن کو یہ بات ناگوار گزری اور طیش میں آکر شطرنج کا تختہ الٹ دیا اور فی البدیہہ یہ مصرع کہا:

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں

اس طرح ان دونوں کی دوستی منقطع ہوگئی۔ شاعر اپنے دل سے مخاطب ہے کہ اگر تو نے آئندہ آرزو کے ساتھ روابط قائم کرنے یا دوستی کرنے کی خواہش کی تو میں تمھیں بھی سینے سے نکال کر باہر پھینک دوں گا۔ کیوں کہ کوئی مومن کسی بدعتی سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ مومن نے شاید اس لیے کہا کہ ترکِ الفت کے بعد انسان کا دل دوبارہ مائل بہ الفت ہوتا ہے۔ اس لیے بہت مبالغہ آمیز اور بڑے خوب صورت انداز میں کہتے ہیں کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ خود میرے سینے میں بدعتی کا مقلد موجود ہو۔ بقول شاعر:

کل سے کعبہ بھی ادھر ہوگا تو سجدہ نہ کریں گے
آج سے چھوڑ دیا ہے ترے در کو ہم نے

مشق

1۔ خالی جگہ پُر کر کے مندرجہ ذیل اشعار مکمل کریں

(i) چارہ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

(ii) اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

(iii) ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں ہوگئے ناچار جی سے ہم

2۔ مختصر جواب دیں۔

(i) مومن کی پہلی غزل کی ردیف کیا ہے؟

ج "نہیں ہوتا" ردیف ہے۔

(ii) مومن کے دوسری غزل کے قوافی لکھیں۔

ج کسی، جی، بے کسی، مدعی، ہنسی، ابھی، بدعتی

(iii) مومن کی پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔

ج اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

(iv) مومن کی دوسری غزل کا مقطع لکھیں۔

ج لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومنؔ نہ ہوں، جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

(3) تشریح کیجیے۔

ج دیکھیے غزلیات کی تشریح۔

(4) مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کے معنی لکھیں۔

الفاظ وتراکیب		معنی
سوئے دشت	:	جنگل، بیاباں، صحرا یا ویرانے کی جانب
ناچار	:	عاجز، لاچار، بے بس، مجبور
ربط	:	تعلق، رابطہ، رشتہ
راحت فزا	:	باعثِ تسکین، سکون پہنچانے والا
صنم	:	بُت یہاں مراد ہے محبوب

(5) مومن کی کوئی اور غزل ڈائری میں لکھیں۔

غزل

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

اُڑتے ہی رنگِ رُخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغِ پرشکستہ کی پرواز دیکھنا

دُشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا

دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا

بدکام کا مآل بُرا ہے جزا کے دن
حالِ سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا

کشتہ ہوں اُس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعوٰی اعجاز دیکھنا

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا!